© rasailojaraid.com

فتویٰ اور دیگر غیر قانونی رسوم، پنچائیت وجرگہ وغیرہ

پروفیسر مولانا سید باچا آغا

گورنمنٹ ڈگری کالج مسلم باغ

ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ اسلام خدا کا آخری اور مکمل ترین دین ہے۔ جس کی تکمیل کا اعلان قرآن مقدس میں موجود ہے۔ یہ روئے زمین پر آیا ہی اس لئے ہے کہ پوری کائنات کو اس خدائی نظام پر چلائے اور ان گوشوں کو اجاگر کرے جو انسانوں کو فضل وکمال، شرف وکرمت، یکجہتی ویگانگت اور اخوت ومحبت کی لازوال دولت سے مالا مال کردے اور اس کے ساتھ ہی انسان انسانیت اور اس کے تقاضوں سے ایک لحہ کے لئے الگ تھلگ نہ ہونے پائے جو اس کا سب سے نمایاں طرہ امتیاز ہے۔

رب العالمین نے اس عظیم الشان ''نظام حیات'' کی بقاء کے لئے قرآن مقدس جیسی کتاب نازل کی اور قیامت تک کے لئے اس کی حفاظت کا اعلان کیا۔ پھر رحمت عالم ﷺ ایک پاک باز وبرگزیدہ رسول اور معصوم معلم کائنات بنا کر مبعوث فرمایا اور ختم نبوت کے تاج سے سرفراز کیا۔ تاکہ پورے اطمینان کے ساتھ آپ کی تعلیم وتبیین، تزکیہ وتطہیر اور آپ ﷺ کے پیش کردہ نشان راہ پر ایمان لایا جائے اور اپنی زندگی کا محور ومرکز بنا لیا جائے اور اس طرح انسان اس منزل مقصود تک پہنچ جائے جو اس کی تخلیق کا منشاء ہے۔ عہد صحابہ تک یہ نظام فکر ونظر سے بڑھ کر عمل اور ہر حرکت وسکون میں جاری وساری تھا۔ آفتاب نبوت گوروپوش ہو چکا تھا مگر اس کی گرمی سے سینے اسی طرح معمور تھے۔ شعبہ جات ایمان کی شاخوں میں کسی شاخ کی پژمردگی ایک لحہ کے لئے بھی انہیں برداشت نہیں تھی۔ صحابہ کرامؓ آنحضرت ﷺ کے اعمال واقوال کے چلتے پھرتے مجسمے تھے ان کی کوئی ادا اُسوہ نبوی ﷺ کے خلاف نہ تھی اور سچ پوچھیئے تو کتاب وسنت کی یہ ایسی دل فروز شمعیں تھیں جن سے پوری آبادی بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ مگر جس جس طرح انسان ترقی کرتا گیا اس کی ضرورتیں بڑھتی اور پھیلتی گئیں، پھر اسلامی حکومتوں کے بڑھتے ہوئے حدود نے نئے نئے مسائل سامنے لاکھڑے کئے ادھر مزاجوں میں بڑی تیزی سے انقلاب آچکا تھا اور وہ رات دن پھیلتا جارہا تھا۔ سوز وگداز اور سادہ دلی وسادہ زندگی جو صحابہ کرامؓ کا شیوہ خاص تھا ختم ہوتا جارہا تھا۔ اس لئے حالات کا تقاضا ہوا کہ کتاب وسنت کی تعلیمات ایک نئے انداز سے مرتب ہوں۔ صحابہ کرامؓ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اقوال تلاش کئے جائیں اور دین کا سارا ذخیرہ سامنے رکھ کر ''نظام حیات'' کی ترتیب ایسے جاذب نظر اور دلکش انداز میں ہو کہ جسے عالم وجاہل، ذہین وغبی، عربی عجمی اور شہری وبدوی ہر ایک بآسانی سمجھ لیں اور جو مسائل صراحۃً کتاب وسنت اور اقوال صحابہ میں موجود نہیں ہیں علماء کے باہمی غور وفکر اور بحث وتمحیص سے مستنبط ہوں، تاکہ آنے والی نسلیں پریشانیوں سے دوچار نہ ہونے پائیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں تیز گامی سے چل سکیں اور ساتھ ہی ان کی عجلت پسند اور سہل طلب طبیعتیں تلاش وتجسس کی مشقت سے محفوظ رہ جائیں۔ چنانچہ علماء ربانیین نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس کے لئے باضابطہ سب سے پہلے سراج الامت حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ آمادہ ہوئے اور آپ نے اپنے عہد کے علمائے کرام کی ایک ایسی معقول تعداد جمع کی جس میں ہر علم وفن کے ماہرین شریک تھے، جو اپنے علم وفن میں بصیرت ومہارت کے ساتھ ساتھ زہد وتقویٰ، خداترسی وفرض شناسی اور دوسرے اوصاف سے بھی متصف تھے۔ جن علماء قائمین بالحق کی مجلس میں استنباط واستخراج مسائل کا یہ مہتم بالشان کام انجام پایا ان کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ کر ہزار تک تھی۔ ان میں چالیس علماء خصوصی صلاحیتوں کے مالک تھے اور مختلف علم وفن کے ماہرین شمار کئے جاتے تھے۔(۱)

فقہ اور دین کے وہ پیش آمدہ مسائل جو دریافت کرنے والوں اور سائلین کے جواب میں بتائے گئے یا اس سادہ انداز پر مرتب ہوئے وہ ''فتاویٰ'' کے قالب میں جلوہ گر ہوئے، اور اس سلسلے نے انسانی ضرورتوں کا پورا پورا ساتھ دیا۔ کتاب وسنت اور فقہ سے مستنبط اس مفید وجدید شکل نے عام مسلمانوں کو تحقیق وجستجو کی ایک صبر آزما مصیبت سے بچا لیا۔ فتاویٰ کا یہ پھیلاؤ انسانی ضرورتوں اور سوالات کے ساتھ بڑھتا گیا، انسانی زندگی کے مختلف شعبہ جات سے متعلق مسائل جس جس طرح پیدا ہوتے گئے، کتاب وسنت اور فقہ سے ان مستنبط مسائل کے ذخیرہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ کسی مرحلہ پر جمود پیدا نہیں ہوا، چنانچہ آج انسانی زندگی سے متعلق کوئی ایسا سوال نہیں ہے جس کا جواب مفتی آپ کو فراہم کر کے نہ دے سکے۔ مفتیان کرام کی جماعت جن کو فقہ سے مناسبت تامہ ہوتی ہے ہر زمانہ میں پائی گئی اور عوام وخاص ہر ایک کا اس جماعت کی طرف رجوع عام رہا اور یہ اپنے علمی رسوخ، خداداد صلاحیت اور مخصوص فہم کی وجہ سے اس کام میں ممتاز اور نمایاں رہی اور اسے رات دن اسی کام کے ساتھ اشتغال رہا۔

فتویٰ کا معنی ومفہوم:

لغت میں فتویٰ دو طرح پڑھا جاتا ہے:

(۱)...... الفتویٰ، بفتح الفاء۔

(۲)...... الفتوی، بضم الفاء۔ مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَلْفَتْویٰ بِفَتْحِ الْفَاءِ (وَقِیْلَ بِضَمِّ الْفَاءِ ایضاً، کمافِی تَاجِ الْعُرُوْسِ، وَلٰکِنَّ الْاَوَّل اَصَحّ وَاَشْهر) (۲)

ترجمہ:...... الفتویٰ، فا کے فتحہ کے ساتھ اور بعضوں نے کہا ہے کہ الفتویٰ، فا کے ضمہ کے ساتھ، جس طرح کہ تاج العروس میں بھی ہے، لیکن پہلا صحیح اور مشہور ہے۔

اسی طرح فُتیا، بضم الفاء بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے کہ:

الفَتویٰ و الفُتیا اِسْمَانِ یُوْضَعَانِ مِنْ مَوْضِعِ الْاِفْتَاءِ اِلّا اَنَّ لَفْظَ الْفُتْیَا اَکْثَرُ اِسْتِعْمَالاً فِی کَلَامِ الْعَرَبِ مِنْ لَفْظِ الْفَتْویٰ (۳)

ترجمہ:...... فتویٰ اور فتیا دو اسم ہیں جو افتاء کے جگہ استعمال ہوتے ہیں مگر یہ کہ لفظ فتیا عربی زبان میں فتویٰ کے بنسبت زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

لغت میں اس کا معنی یہ ہے کہ ''سوال کا جواب دینا''۔ چاہے وہ سوال احکام شرعیہ سے متعلق ہو یا اس کے علاوہ ہو۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

یَا اَیُّهَا الْمَلَأُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُؤْیَایَ اِنْ کُنْتُمْ لِلرُّؤْیَا تَعْبُرُوْنَ۔ (۴)

ترجمہ:...... اے سردارو! اگر تم خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔

اس آیت میں دنیاوی امر کے بارے میں سوال لفظ فتویٰ سے کیا گیا ہے۔ بعد میں لفظ فتویٰ کو کسی شرعی سوال کے جواب دینے کے لئے خاص کیا گیا۔ قرآن کریم میں اس معنی کے لحاظ سے ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِیْهِنَّ۔ (۵)

ترجمہ:...... (اے پیغمبر!) لوگ تم سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ تم کو اُن کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتا ہے۔

یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلَالَةِ۔ (۶)

ترجمہ:...... حکم پوچھتے ہیں آپ ﷺ سے، سو آپ ﷺ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے یعنی حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔

حضور ﷺ نے بھی متعدد ارشادات میں فتویٰ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے، جیسا کہ ارشاد گرامی ہے کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

أَجْرَؤُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا أَجْرَؤُكُمْ عَلَى النَّارِ۔(۷)

ترجمہ:...... تم میں سے فتویٰ دینے پر زیادہ جرأت مند وہ ہوگا جو تم میں سے جہنم کی آگ پر جرأت مند ہو۔

بہر حال دور حاضر میں فتویٰ سے مراد کسی دینی مسئلہ کا جواب دینا ہے۔یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ ہم نے لفظ''شرعی'' کے بجائے لفظ''دینی'' کو اپنایا جس کی وجہ یہ ہے کہ مفتی صرف احکام شرعیہ عملیہ کا جواب نہیں دیتا بلکہ بعض اوقات مسائل دینیہ اعتقادیہ، احادیث کے معانی اور اس کی کیفیت اسناد وغیرہ کا بھی جواب دیتا ہے جن کا تعلق علوم دینیہ سے ہوتا ہے۔علماء محققین نے افتاء کی جتنی تعریفیں کیں ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ''اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بتا دینا''۔(۸)

افتاء وقضاء میں فرق:

افتاء اور قضاء قریب قریب دونوں ایک ہی ہیں۔بیشتر شرائط اور اصول میں دونوں برابر ہیں اس لئے فقہاء کرام نے جہاں قاضی یا قضاء کے شرائط بیان کئے ہیں تو وہاں آخر میں یہ بات وضاحت کے ساتھ کہی ہے کہ یہ جملہ شرائط مفتی کے لئے بھی ہیں۔اور جہاں مفتی کی شرائط کا ذکر ہیں وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ قاضی ان شرائط میں مفتی کی مانند ہیں۔البتہ قاضی اور مفتی میں چند وجوہ کی بناء پر فرق ضرور پایا جاتا ہے جو حسب ذیل ہیں۔

اول: فتویٰ صرف امر شرعی کو بیان کرنے کا نام ہے، جیسے کسی چیز کا جواز، ندب یا وجوب یا کراھۃ یا حرمۃ وغیرہ۔اور فتویٰ میں مستفتی پر فتویٰ کے مقتضی پر عمل کرنے کے بارے میں کوئی الزام یا اجبار نہیں ہے۔جبکہ قضاء میں محکوم علیہ پر قاضی سے صادر ہونے والے حکم پر عمل کرنے میں الزام واجبار ہے۔

دوئم: فتویٰ کا دارومدار اس سوال پر ہے جو سائل نے مفتی سے کیا ہے، پس مفتی اس کا حکم یہ فرض کر کے بیان کرتا ہے کہ یہ سوال واقع اور نفس الامر کے مطابق ہے۔نفس الامر میں اس کی صحت کی تحقیق کرنا مفتی کی ذمہ داری نہیں۔اسی وجہ سے مفتی، فتویٰ کے شروع میں لکھتا ہے کہ''پوچھے گئے مسئلہ کا حکم یہ ہے کہ۔۔۔۔۔۔''اس سے پوچھے گئے سوال کا واقع اور نفس الامر کے مطابق ہونا لازم بھی نہیں آتا۔

سوئم: فتویٰ ان اشیاء میں چلتا ہے جن پر وجوب، حرمۃ، اباحۃ، ندب، کراھۃ، صحۃ یا بطلان وغیرہ کا ترتب ہو سکتا ہو۔جبکہ قضاء ان اشیاء میں نہیں چلتا، جن پر وجوب، ندب، اباحۃ وغیرہ کا ترتب ہوتا ہو، اس لئے کہ ندب اور کراھۃ کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر بدون کسی الزام واجبار کے ابھارنے کا نام ہے، جبکہ قضاء محض اجبار والزام ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چہارم: فتویٰ صرف احکام فقہیہ تک محدود نہیں ہوتا بلکہ عقائد اور عبادات وغیرہ سے بھی متعلق ہوتا ہے، جبکہ قضاء کا عقائد و عبادات سے کوئی تعلق نہیں، مگر تبعاً و ضمناً۔(۹)

منصب افتاء کی عظمت:

فتویٰ یا افتاء ایک عظیم اور مہتم بالشان امر ہے اور اس کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنی طرف کی ہے، ارشاد خداوندی ہے کہ:

یَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَةِ ۔(۱۰)

ترجمہ:...... حکم پوچھتے ہیں آپ ﷺ سے، سو آپ ﷺ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے یعنی حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔

فتویٰ کی عظمت شان کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ اور اسلامی مسئلہ کے جواب کی نسبت اپنی ذات اقدس کی طرف فرمائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے زندگی بھر اس عظیم اور پر وقار عہدہ کو سنبھالے رکھا اور بیشمار فتوے جاری کئے۔ اگرچہ اس وقت فتویٰ یا مفتی کی اصطلاح رائج نہ تھی، لیکن پہلے بتا چکے ہیں کہ فتویٰ کا اصل معنی کسی شرعی مسئلے کا جواب دینا ہے۔ اس اعتبار سے پیغمبر ﷺ کے زمانے میں مسائل کے جوابات فتاویٰ ہی تھے۔ اور آپ ﷺ اپنے زمانے کے مجیب اور مفتی اعظم بھی تھے۔ چونکہ لفظ رسول مفتی سے بدرجہا بہتر و افضل ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ رسول کے مقدس نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کے بعد یہ منصب صحابہ کرامؓ کے سپرد ہوا مگر زیادہ نازک اور پر خطر ہونے کی وجہ سے اکثر صحابہ کرامؓ یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ یہ کام کسی اور صاحب کے سپرد کر دیا جائے اور خود اس ذمہ داری سے بچ جائیں۔ اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ میں فتویٰ دینے والوں کی تعداد کم رہی۔ علامہ ابن قیمؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب اعلام الموقعین میں صحابہ کرامؓ میں سے مفتی حضرات کی تعداد ایک سو تیس سے کچھ اوپر بتائی ہے، اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں زیادہ فتویٰ دینے والے کل سات حضرات تھے۔ فرماتے ہیں کہ:

فَکَانَ الْمُکْثِرُوْنَ مِنْهُمْ سَبْعاً عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ وَعَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبَ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَعَائِشَةُ اُمُّ الْمُؤْمِنِیْنَ وَزَیْدُبْنُ ثَابِتٍ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔(۱۱)

ترجمہ:...... ان میں زیادہ فتویٰ دینے والے کل سات حضرات تھے۔ حضرت عمر ابن خطابؓ، حضرت علی ابن ابی طالبؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، ام المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت زید ابن ثابتؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فتویٰ کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اتنی احتیاط کی کہ صرف اپنے ہی فتویٰ اور تحقیق کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اپنے دارالتحقیق والافتاء میں مسائل کی تحقیق وجستجو کے لئے اس وقت کے مجتہدین اور جید علماء کرام کی شوریٰ بنائی، یہ شوریٰ حالات کے اعتبار سے کم وبیش ہوتی رہتی تھی، لیکن مؤرخین علماء کرام نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے دارالتحقیق والافتاء کے محققین اور مشاورین کی تعداد چالیس تھی۔ (۱۲)

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ منصب افتاء کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

افتاء کا منصب علمی سلسلوں میں سب سے زیادہ مشکل، دقیق اور اہم ترین سمجھا گیا ہے، فقہ کی لاکھوں متماثل جزئیات اوران کے متعلقہ احکام میں تھوڑے تھوڑے فرق سے حکم کا تفاوت محسوس کرنا عمیق علم کو چاہتا ہے جو ہر عالم بلکہ ہر مدرس کے بھی بس کی بات نہیں۔ جب تک فقہ سے کامل مناسبت، ذہن وذکاء میں خاص قسم کی صلاحیت اور قلب میں مادہ تفقہ نہ ہو۔ اس لئے مدارس دینیہ میں افتاء کے لئے شخصیت کا انتخاب نہایت پیچیدہ مسئلہ سمجھا گیا ہے جو کافی غور وفکر اور سوچ وبچار کے بعد ہی حل ہوتا ہے اور پھر بھی تجربات کا محتاج رہتا ہے۔ (۱۳)

جن لوگوں نے اپنی کم علمی اور وسعت مطالعہ کی کمی کی وجہ سے علماء دین پر جمود اور تنگ نظری کا الزام لگایا ہے وہ بڑی حد تک معذور ہیں۔ البتہ قابل صد ملامت وہ حاسدین ہیں جو ازراہ کینہ پروری ایسی باتیں کہتے ہیں۔ ہر دور کے فتاویٰ کی کتابیں مختلف زبانوں میں چھپی ہوئی ملتی ہیں۔ ان میں ہر دور کے نئے مسائل بھی درج ہیں اوران کے جوابات بھی، ان کتابوں سے بڑھ کر ثبوت میں اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ فقہ وفتاویٰ ایسا فن ہے، جس سے کسی کو بھی مفر نہیں ہیں۔ اس لئے کہ انسانی زندگی میں جس قدر واسطہ اس فن اوراس کے حصول وجزئیات سے پڑتا ہے اور جس قدر آئے دن کے مسائل کا جواب یہاں ملتا ہے کہیں اور سے ممکن نہیں ہے۔ (۱۴)

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ موجودہ دور علم وفن، تحقیق وتدقیق اور اکتشافات جدیدہ کے میدان میں بہت آگے نکل چکا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے اظہار میں بھی ذرہ برابر تذبذب نہیں ہے کہ دنیا اس ''نظام حیات'' سے بہت دور جا پڑی ہے جو انسانوں کو انسانیت بخشتا ہے اور انسانی مجد وشرف سے ہم آغوش کرتا ہے۔ یہ درست ہے کہ انسانی دماغ نے فضا کو محکوم بنالیا اور زمین کا سینہ چیر کر اس کے خزانے نکال لایا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ نئی ایجادات نے دنیا کی آنکھیں خیرہ کرڈالیں اور انسانی جدوجہد اپنے شباب پر پہنچ چکی، لیکن اس کے ساتھ اس کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس وقت نہ اخلاق واعمال کی پاکیزگی باقی رہی اور نہ عقائد ومعاملات کی پختگی، نہ دلوں میں اخلاص وللّٰہیت کی روشنی رہی اور نہ ہی سینوں میں امانت ودیانت کی جلوہ گری، مختصر یہ کہ انسان سب کچھ ہے مگر آدمیت سے کوسوں دور ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منصب افتاء اور خطرات:

منصب افتاء اگرچہ ایک عظیم مقام ہے لیکن اس عظمت کے ساتھ ساتھ اس میں عظیم خطرات بھی موجود ہیں۔ کیونکہ بلند مقام پر چڑھنے والا جب گرتا ہے تو بلند مقام ہی سے گرتا ہے۔ تو منصب افتاء کی عظمت کے پیش نظر اس میں لاپرواہی سے فتویٰ دینا یا غفلت کرنا باعث عذاب ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ:

مَنْ اَفْتٰی بِغَیْرِ عِلْمٍ کَانَ اِثْمُہٗ عَلٰی مَنْ اَفْتَاہُ۔ (۱۵)

ترجمہ:....... جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس کا گناہ اسی (فتویٰ دینے والے) پر ہوگا۔

اسی طرح یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

أَجْرَؤُکُمْ عَلَی الْفُتْیَا أَجْرَؤُکُمْ عَلَی النَّارِ۔ (۱۶)

ترجمہ:....... تم میں سے فتویٰ دینے پر زیادہ جرأت مند وہ ہوگا جو تم میں سے جہنم کی آگ پر جرأت مند ہو۔

لہٰذا مفتی کا فریضہ ہے کہ اگر وہ اس منصب کے لائق نہیں ہے تو پھر ہرگز افتاء کی جرأت نہ کریں، ورنہ وہ گناہ گار ہوگا اور سخت مجرم، اور جس صاحب اقتدار نے اسے اس منصب پر فائز کیا ہے وہ بھی گناہ گار ہوگا۔ اس سلسلے میں علامہ ابن القیم نے لکھا ہے کہ:

مَنْ اَفْتَی النَّاسَ وَلَیْسَ بِاَھْلِ الْفَتْوٰی فَھُوَ آثِمٌ عَاصٍ وَمَنْ اَقَرَّہٗ مِنْ وُلَاۃِ الْاُمُوْرِ عَلٰی ذَالِکَ فَھُوَ آثِمٌ ایضاً۔ (۱۷)

ترجمہ:....... جو نااہل ہونے کے باوجود لوگوں کو فتویٰ دینے لگے وہ گناہ گار اور نافرمان ہیں اور ذمہ داروں میں سے جو ایسے شخص کو اس عہدہ پر رہنے دے وہ بھی گناہ گار ہے۔

فتویٰ کے حوالے سے مذکورہ بالا بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلام نے ہمیں جو ''نظام حیات اور قانون'' فراہم کیا ہے وہ ہر طرح کی پیچیدگیوں سے پاک ہے اور اس میں لاقانونیت کا شائبہ تک نہیں۔ دور حاضر کے تناظر میں جب ہم اپنے ملکی قوانین پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سالہا سال تک مقدمات وغیرہ کے فیصلے تعطل کے شکار رہتے ہیں جن سے تنگ آکر سائل یا تو قانون شکنی کا ارتکاب کر لیتا ہے یا تو پھر ہر ایک اپنے رسم ورواج کے مطابق از خود ہی اپنے مقدمات کا فیصلہ کرنے لگتا ہے۔ اس طرح مقامی رسم ورواج غالب آجاتے ہیں، یہی رسم ورواج پنچائیت یا جرگہ وغیرہ کی شکل میں بااثر حلقوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے توسط سے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔اسلام میں پنچائیت یا جرگہ وغیرہ کا کوئی تصور نہیں البتہ جن علاقوں میں مسلم جج موجود نہ ہوں یا مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ لیجانے کا قانوناً اختیار نہ ہو، یا مسلمان حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو اس طرح کے ضرورت شدیدہ میں مذہب حنفی کے مطابق مسلمانوں کی جماعت کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جائیگا (جو کہ اصل میں امام مالکؒ کا مذہب ہے)۔اس کی صورت یہ ہے کہ محلہ یا بستی کے بااثر اور دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت جن کا تعداد کم از کم تین ہو، کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا جائے اور وہ جماعت واقعہ کی تحقیق کر کے شریعت کے موافق حکم کر دے۔اس جماعت مسلمین کو اگر پنچائیت یا جرگہ وغیرہ کا نام دیا جائے تو کوئی بات نہیں۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جو پنچائیت وغیرہ ہیں، تو وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں دیندار شخص شاید نہ ہو۔اور یہ پنچائیت جماعت مسلمین کے شرائط پر پورا بھی نہیں اترتا۔علماء نے جماعت مسلمین کے لئے جو شرائط مقرر کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

جماعت مسلمین یا پنچائیت کے شرائط:

اول: کم از کم تین آدمیوں کی جماعت ہو، ایک یا دو آدمی فیصلہ کریں تو وہ معتبر نہیں۔

دوئم: اس جماعت کے سب ارکان کا عادل ہونا شرط ہے۔اور عادل وہ شخص ہے جو تمام کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغائر پر مصر نہ ہو، اور اگر کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہو تو فوراً توبہ کر لیتا ہو۔لہذا سود خور اور رشوت لینے والا، داڑھی منڈانے والا، جھوٹ بولنے والا اور بے نمازی اس جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔(اگر بدقسمتی سے کسی جگہ کے بااثر لوگ دیندار نہ ہوں تو یہ تدبیر کر لی جائے کہ وہ بااثر اشخاص چند دینداروں کو اختیار دے دیں تاکہ شرعاً فیصلہ کی نسبت دیندار جماعت کی طرف ہو اور ان بااثر اشخاص کو کوشش کا ثواب حاصل ہو جائے)۔

سوئم: فیصلہ میں علماء کی شرکت لازم اور شرط ہے، صرف عوام کی جماعت کا فیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔اس لئے اوّلاً تو یہ چاہیئے کہ جماعت کے سب ارکان اہل علم ہوں اور اگر یہ میسر نہ ہو تو کم از کم ایک معاملہ فہم عالم کو ضرور جماعت کا رکن بنائیں اور دوسرے تمام ارکان معاملہ کے تمام پہلوؤں کو ان عالم سے خوب سمجھ کر رائے قائم کریں۔اور اگر کسی جگہ یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر یہ لازم ہے کہ جماعت کے ارکان معاملہ کی روداد مکمل کر کے علماء محققین سے ہر ہر جزئی کا حکم دریافت کریں، ان کا جو فتویٰ ہو اس کے موافق فیصلہ کیا جائے۔اگر ایسا نہ کیا بلکہ عوام نے محض اپنی رائے سے فیصلہ کر دیا تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا اور فیصلہ بالکل بیکار و غیر معتبر رہیگا اگرچہ وہ فیصلہ شریعت کے موافق بھی ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چہارم: جماعت مسلمین کے سب ارکان متفقہ فیصلہ دیں اگر رائے مختلف رہے اور کثرت رائے کی بنا پر فیصلہ کرنا چاہیں تو وہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا۔ پس اگر ارکان میں اختلاف رہیں تو مقدمہ خارج کردیا جائے۔ (۱۸)

مذکورہ بالا شرائط پنچائیت یا جماعت مسلمین کو اگر مدنظر رکھا جائے، تو موجودہ دور کا پنچائیت تو بالکلی اس کے برعکس ہے۔ دور حاضر کے پنچائیت میں علماء کی جانب سے مقرر کردہ کوئی ایک شرط بھی نہیں پایا جاتا۔ کوئی با اثر شخص یا محلہ وبستی کا کوئی وڈیرہ، سردار وغیرہ جو چاہے، جیسے چاہے فیصلہ کا اختیار رکھتا ہے، اور کوئی اس کے حکم کی خلاف ورزی بھی نہیں کرسکتا بلکہ خلاف ورزی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ دور حاضر میں پنچائیت کے فیصلے زیادہ تر قتل یا کاروکاری جیسے واقعات میں سامنے آتے ہیں، جن میں اسلامی قانون یا ملکی آئین کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ مثلاً ہمارے ملک کے دیہاتوں میں 16 سال سے 40 سال تک کے خواتین ومردوں کو کھلے عام صرف غیرت کے نام بے دردی سے قتل کردیا جاتا ہے، کہیں سے کوئی آواز نہیں اٹھتی، یہ صرف اس لئے کہ کاری قرار دے کر قتل کی جانے والی عورت کسی بڑے باپ کی بیٹی نہیں یا صرف اس لئے کہ ان کا قتل اہمیت نہیں رکھتا کہ وہ کسی ہاری کی بیوی یا بہن ہے اور کسی یونیورسٹی کی پڑھی لکھی عورت نہیں بلکہ ایک اجڈ اور گنوار اعورت ہے یا پھر کاری کے الزام میں قتل ہونے والی عورت آج بھی پتھر کے دور میں زندہ ہے، جہاں انسانی حقوق صرف بڑے لوگوں کے لئے مخصوص ہیں۔ جہاں آج بھی ایک نہیں کئی کئی قتل کے فیصلے علاقے کے وڈیروں کے رحم وکرم پر ہیں اور وڈیرے چاہیں تو فیصلہ کریں اور نہ چاہیں تو نہ کرے۔ ہم دین اسلام کے پیروکار ہیں اور دین اسلام میں ناحق کسی کو آزار دینا بہت بڑا گناہ ہے، تو پھر کاروکاری کے تحت لوگوں کا ہر مہینے بڑی تعداد میں قتل کیا جانا ہمیں کہاں لے جارہا ہے؟ بالائی سندھ کے ستم زدہ دیہاتی مختلف المیوں سے ہمیشہ دوچار رہے ہیں کیونکہ کبھی انہیں وڈیروں کے ظلم وستم کا نشانہ بننا پڑا ہے تو کبھی قبائلی جھگڑے خاندان کے خاندان اجھاڑ دیتے ہیں یا پھر کسی خاندان کو کاروکاری کے نام پر مشق ستم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ (۱۹)

خلاصہ کلام:

اسلام ایک جامع دین ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں مستقل رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام کے بنیادی مقاصد میں عزت وعصمت کی حفاظت داخل ہے اور اس نے معاشرے کو پاکیزہ بنانے اور پاکیزہ رکھنے کیلئے ایک مرتب نظام دیا ہے۔ اسلامی ہدایات پر عمل کے نتیجے میں جو معاشرہ تشکیل پائے گا وہ پاکیزہ معاشرہ ہوگا اور اس میں لاقانونیت کے واقعات نہایت قلیل کالمعدوم ہوں گے۔ اصل اسلامی تعلیم تو یہی ہے کہ کوئی بھی معاملہ عدالت کے حوالے کیا جائے لیکن عملاً صورتحال یہ ہے کہ اسلامی قوانین مدت سے معطل ہیں، تو پھر ہر ایک اپنے رسم ورواج کے مطابق از خود ہی اپنے مقدمات کا فیصلہ کرنے لگے۔ پھر زمانے کی گرد میں آہستہ آہستہ مقامی رسم ورواج غالب آتے گئے اور اصل اسلامی تعلیم اتنی نایاب ہوگئی کہ اس کو پیش کرنے پر عوام الناس بھی چونک اٹھیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جگہ جگہ علماء بھی آج اسی رسم ورواج یعنی پنچائیت اور جرگہ سسٹم وغیرہ کے محافظ بنے بیٹھے ہیں۔(۲۰)

چونکہ پنچائیت اور جرگہ سسٹم وغیرہ زیادہ تر دیہاتوں سے تعلق رکھتے ہیں تو اس میں کئی وجوہات ہیں، جن میں سے پہلا قسم جاگیردارانہ اور سرداری نظام ہے۔ایک دستور کی حیثیت سے اس کے دوام میں مقامی وڈیروں یا سرداروں (قبائلی سردار یا جاگیردار، عموماً دونوں ہی) کے کردار کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔زیادہ تر سردار اپنی روایات کے ایک اہم جزو کے طور پر اس کی حمایت کرتے ہیں۔ان شرفاء میں سے متعدد افراد اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور انہوں نے دنیا دیکھی ہے۔ان میں سے کئی اشخاص لوگوں کی نمائندوں کی حیثیت سے ملک کے پارلیمنٹ (جب معطل نہ ہو) میں بیٹھتے اور حکومت میں وزراء اور مشیران کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے ہیں۔وہ سب اس بات سے آگاہ ہیں کہ گزشتہ سو برس میں ان کی جاگیروں سے باہر کی دنیا تبدیل ہو چکی ہے، مگر وہ اس قرون وسطی کی دنیا میں (جس میں وہ خود رہتے ہیں) تبدیلی لانے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔کیونکہ اگر وہ ایسی کوئی تبدیلی لائینگے تو پھر ان کی سرداری یا جاگیردارانہ سوچ اور سسٹم کی کوئی وقعت باقی نہیں رہے گا۔(۲۱)

تعلیم یافتہ افراد یا معاشرہ سردارانہ اور جاگیردارانہ، مجبور و مقہور سوچ کے تحت پروان چڑھنے کی بجائے اسلامی وملکی قانون کا پابند اور ایک آزاد و خود مختار سوچ کا حامل ہوتا ہے اور جاگیردارانہ تسلط کو سرے سے قبول ہی نہیں کرتا۔اسی وجہ سے تو یہ بات مشاہدے سے ثابت ہو چکی ہے کہ سردار یا جاگیردار اپنے اور اپنے گھرانے کیلئے ہر قسم کی سہولیات اور اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے درپے ہوتے ہیں جبکہ اپنے ماتحت، رعایا اور قوم کیلئے تمام تر سہولیات سمیت تعلیم کے تمام تر دروازے بند ہوتے ہیں۔آج کل اگرچہ جاگیردارانہ نظام اپنے اصل روپ میں قائم نہیں لیکن اس کے اثرات کم وبیش اب بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ تعلیم اور شعور کا سلسلہ وسیع کیا جائے خاص کر دیہی علاقوں میں تعلیم عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

حوالہ جات:

۱:۔حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، فتاویٰ دار العلوم دیوبند، مکتبہ حقانیہ، ملتان، ج ا، ص ۴۵۔۴۴۔

۲:۔مفتی محمد تقی عثمانی، اصول الافتاء وآدابہ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۱ء، ص ۸۔

۳:۔علامہ ابن منظور، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۵، ص ۲۰۔

۴:۔یوسف ۱۲:۴۳۔

۵:۔النساء ۴:۱۲۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶:۔النساء۴:۱۷۶۔

۷:۔ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل، سنن دارمی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ج ا،ص ۱۷۹۔

۸:۔مولانا عبدالحقؒ، فتاویٰ حقانیہ، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ۲۰۰۸، ج ا،ص ۵۶۔

۹:۔بحوالہ بالا مفتی محمد تقی عثمانی، اصول الافتاء وآدابہ،ص ۱۱۔۱۲۔

۱۰:۔النساء۴:۱۷۶۔

۱۱:۔امام ابن قیم، اعلام الموقعین، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ج ا،ص ۲۸۔

۱۲:۔بحوالہ بالا مولانا عبدالحقؒ، فتاویٰ حقانیہ، ج ا،ص ۸۰۔

۱۳:۔بحوالہ بالا حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج ا،ص ۲۵۔

۱۴:۔ایضاً، ج ا،ص ۵۷۔

۱۵:۔امام ابی داؤد سلیمان ابن اشعث السجستانی، ابوداؤد، کتاب العلم، باب التوقی فی الفتیا، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ج ۲،ص ۱۵۹۔

۱۶:۔بحوالہ بالا ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل، سنن دارمی، ج ا،ص ۱۷۹۔

۱۷:۔بحوالہ بالا امام ابن قیم، اعلام الموقعین، ج ۲،ص ۲۵۶۔

۱۸:۔حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حیلہ ناجزہ، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۸۷ء،ص ۱۴۹۔

۱۹:۔روزنامہ جنگ، کراچی، رنگین صفحہ، جون ۲۰۰۵ء۔

۲۰:۔پروفیسر ثریا بتول، جدید تحریک نسواں اور اسلام، منشورات، لاہور، ۲۰۰۰ء،ص ۴۶۵۔

۲۱:۔رابعہ علی، غیرت کا تاریک پہلو مترجم افتخار محمود، شرکت گاہ، لاہور، ۲۰۰۱ء،ص ۲۵۔

......☆☆☆☆☆......

© rasailojaraid.com